R. No. 7100/57

Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت

قیمت سالانہ ... روپے
فی پرچہ ... نئے پیسے

جلد ۲۴ - شمارہ ۶	ایڈیٹر:- آل احمد سرور	۸ فروری ۱۹۶۵ء

اداریہ

راشٹر بھاشا کا سوال

مدراس میں حال میں جن نوجوانوں نے جس طرح جان دی اور جس طرح ہندی کے [illegible] کے مرکزی سرکاری زبان ہونے پر وہاں کے طلبا نے احتجاج کیا، اس پر تمام محبان وطن کو جذباتیت سے بلند ہو کر غور کرنا چاہیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بدیسی زبان ہمیشہ کے لیے ملک کی سرکاری زبان نہیں رہ سکتی اور یہ بات بھی اب واضح ہو گئی ہے کہ بعض سہولتوں اور حقائق کی بنا پر صرف ہندی ہی انگریزی کی جگہ لے سکتی ہے لیکن انگریزی کو ہٹانے میں جلدی کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور اس سلسلے میں اگر جنوبی ہند کے لوگوں کے جذبات کو نظر انداز کیا گیا تو یہ بہت بڑی غلطی ہوگی۔ بات یہ ہے کہ اگرچہ انگریزی بدیسی زبان ہے مگر اس میں سارے ملک کو یکساں آسانی اور یکساں دشواری ہے۔ کسی علاقے کو دوسرے علاقے پر اس سلسلے میں فوقیت حاصل نہیں لیکن ہندی کے سرکاری زبان ہونے اور صرف ہندی میں مرکزی سرکار کے کاروبار کی وجہ سے ان علاقوں کے باشندوں کو جہاں ہندی نہیں بولی جاتی کچھ نہ کچھ دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ خاص طور پر اگر ہندی یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحانوں کی زبان ہوتی ہے تو ہندی والوں کو آسانی ضرور ہوتی ہے جسے کسی فارمولے کے ذریعے ایک حد کے اندر نہیں لایا جا سکتا۔ پھر اگر مختلف ریاستوں کے لیے جگہوں کا تعین کیا جاتا ہے تو یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کیوں کہ اس طرح تحفظات کو کسی نہ کسی طرح سے مقابلے کے امتحان میں لایا جاتا ہے اور اس سے مجموعی معیار پر اثر پڑ سکتا ہے۔ اس لیے اگر ایسے طویل عرصے کے لیے جس میں ایک طرف ان علاقوں میں جہاں ہندی کا چلن نہیں ہے ہندی جاننے والوں کی تعداد خاصی بڑھ جائے، دوسری طرف ہندی کے علاقوں میں آسان ہندی میں تمام کتابیں تیار ہو جائیں اور آج کل کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مواد ملنے لگے، انگریزی اور ہندی دونوں کو برابر کی حیثیت حاصل ہو تو یہ کسی طرح بے جا نہ ہوگا۔ ہماری ریاست فیڈرل ریاست ہے۔ یہ ایک وفاقیہ ہے۔ اس میں تمام ریاستوں کو ساتھ لے کر چلنا ہے اور کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے جس کی وجہ سے علیحدگی پسندی کا رجحان تقویت پائے۔ بلکہ اگر ملک کی سالمیت کی خاطر کچھ عرصے کے لیے انگریزی ہی میں سرکاری کاروبار ہو اور ہندی میں کاروبار کو فی الحال ملتوی کر دیا جائے تو بھی ہر طرح مناسب ہوگا۔ ابھی حال میں جو اعداد و شمار ہندستان کی زبانوں کے متعلق شائع ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خالص ہندی کے بولنے والے تیس فی صدی ہیں اور اگر راجستھانی اور بہاری علاقوں کی بولیوں کو شامل کر لیا جائے تو ۴۰ فی صدی کے قریب ہیں۔ یہ کسی طرح مناسب نہ ہوگا کہ ایک اقلیت کی خاطر اکثریت کو کچھ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے۔ زبان کا مسئلہ بڑا اہم ہے اس معاملے میں سب کے جذبات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اس وقت ملک میں یکجہتی کی بڑی ضرورت ہے۔ ہمیں بیرونی طاقتوں سے ہر وقت ہوشیار رہنا ہے اور ملک کی ترقی اور خوش حالی کے پروگرام کو آگے بڑھانا ہے۔ ایسے ہی زبان کے مسئلے

اس شمارے میں

پر اگر اختلافات شروع ہو جائیں تو ان سے ملک کی یک جہتی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ اس لیے سب کو مل کر چلنا ہے اور سب کی آسانی کو ملحوظ رکھنا ہے۔ پھر انگریزی کو ہم کسی طرح بالکل نظر انداز بھی تو نہیں کر سکتے اور اس لیے اس کو یونی ورسٹیوں میں اور ثانوی منزل پر ایک لازمی زبان کی حیثیت سے پڑھانا تو ہر حال میں ضروری معلوم ہوتا ہے۔

سیر بین

آج کل علی گڑھ میں نمایش ہو رہی ہے۔ نمائش میں ہر سال ملک کی ترقی کے نقشے سامنے آتے ہیں۔ نئی مشینیں، نئی طرح کے ہل، روسی ٹریکٹر، چھوٹی اور گھریلو صنعتوں کے کاموں کے نمونے مختلف اسٹالوں پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ مگر بار لوگوں کو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ تو کباب پراٹھے کھانے، دکانوں پر خریداروں کے ہجوم کو دیکھنے اور یونہیں بے مقصد گھومنے میں لگے رہتے ہیں۔ اس زمانے میں چچوروں کو خوب موقع ملتا ہے۔ طلبا اپنے کمروں سے رات گئے تک غائب رہتے ہیں۔ بہت سے بال بچوں والے نمائش میں اپنی شام گزارتے ہیں۔ گھروں اور کمروں پہ تالہ لگ جاتا ہے چور آتے ہیں اور صفایا کر جاتے ہیں۔

۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے زبانوں کے اعداد حال میں شایع ہوئے ہیں۔ مردم شماری کے کمشنر نے ایک بیان میں کہا ہے کہ ہندوستان میں تقریباً ایک ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے اس تعداد میں چھوٹی چھوٹی زبانیں بھی ہیں جن کے بولنے والے چند ہزار سے زیادہ نہ ہوں گے۔ ویسے بڑی زبانیں بیس سے زیادہ نہ ہوں گی اور یہ تعداد ہندوستان جیسے بڑے ملک کو دیکھتے ہوئے کسی طرح حیرت انگیز نہیں۔ اس وقت ہندی بولنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اس کے بعد تلگو، پھر بنگالی پھر مراٹھی، اس کے بعد اردو۔ اردو بولنے والوں کی تعداد دو کروڑ تیس لاکھ بتائی گئی ہے۔ ہمارے خیال میں اصلی تعداد اس سے زیادہ ہی ہے۔ ابھی ہمارے یہاں مردم شماری سائنٹفک طریقے پر نہیں ہو پائی۔ خصوصاً اقلیت کی زبانوں کے سلسلے میں خامیاں کوتاہیاں رہ جاتی ہیں۔ بہر حال اردو بولنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور یہ تعداد اتنی ہے کہ کسی صورت میں اس کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

آج کل گول بات کہنے اور اپنے آپ کو پابند نہ کرنے کا ایک فن بن گیا ہے۔ دو اشخاص کی بات چیت ملاحظہ کیجیے۔

سوال :- تجریدی آرٹ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب :- مجھے یہ دلچسپ معلوم ہوتا ہے

سوال :- آپ اس کے حامی ہیں یا مخالف؟

جواب :- میں ہر تجربے کو ہمدردی سے دیکھتا ہوں۔

سوال :- حسین کی تصویروں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب :- یہ تصویریں میری سمجھ میں نہیں آتیں، مگر ان میں ایک بات ہوتی ہے۔

کہیے آپ کے پلے کیا پڑا۔

---

۱۹ ویں صدی کے مشہور شاعر مرزا شفیع کی غزلوں کا مسودہ دریافت

مشرق کے مشہور شاعر مرزا شفیع (۱۸۰۰ء تا ۱۸۵۲ء) کی شاعری کا مسودہ جارجیا کی سائنس اکاڈمی کے مخطوطات کے انسٹی ٹیوٹ میں محفوظ ہے۔ آذر بائیجان کے ادبی مورخ گاد اور مازدے نے اسے پایۂ ثبوت کو پہنچایا ہے۔ اس سے پہلے ادارے کی فہرست میں فارسی غزلوں کے ایک گمنام مجموعے کی حیثیت سے اس کا ذکر ہوتا تھا۔

اس مخطوطے کے مستند ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اس کے صفحات پر شاعر کی ذاتی مہر بھی ثبت ہے اور آخری صفحے پر ایک اختتامیہ بھی ہے جس میں لکھا ہے کہ صادق نامی معمار کے لڑکے نے ۱۸۲۷ء میں شفیع کے ایک دوست کی فرمایش پر یہ مجموعہ مرتب کیا تھا۔ شاعر کی سوانح عمری سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ایک جرمن شاعر اور مترجم فریڈرک بودنسادت نے ۱۸۵۰ء میں ایران اور قفقاز کی سیاحت کی تھی۔ اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ ایک غیر معروف شاعر مرزا شفیع نے اسے اپنے دیوان کا ایک نسخہ پیش کیا تھا۔ کچھ دنوں بعد اس نے مرزا شفیع کا کلام شایع کیا جس کی وجہ سے مرزا شفیع کا نام مشہور ہوا۔ مگر جب اس مجموعے کو شہرت حاصل ہوئی اور شاعر بھی زندہ نہ رہا تو اس نے یک بارگی یہ اعلان کر دیا کہ یہ اس کی اپنی شاعری ہے اور اس نے صرف مرزا شفیع کا نام استعمال کیا ہے۔ ایک صدی تک یہ پورا واقعہ سربستہ راز بنا رہا۔ اس نسخہ میں ایک ایسی نظم شامل ہے جو اب تک مفقود تھی "خط کے انتظار میں" دو غزلیں اور پانچ ضمنیں بھی ملی ہیں۔ جرمن، انگریزی، فرانسیسی، روسی اطالوی اور دوسری زبانوں میں ان کا کافی کلام شایع ہو چکا ہے۔

(سیاست جدید کانپور)

مہابھارت کا روسی ترجمہ

نئی دہلی۔ ۲۰ر جنوری۔ تاس کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ لینن گراڈ میں مہابھارت کا ایک نیا ترجمہ تیار ہو رہا ہے۔ یہ اعلان ہندوستان پاکستان، نیپال اور لنکا کی زبانوں پر ہونے والی ایک سہ روزہ کانفرنس میں جو ماسکو میں ہوئی کیا گیا ہے۔

(قومی آواز، لکھنؤ)

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ
(وس کانسن، امریکہ)

نؔ یا ن

اردو میں نونؔ کی آواز کئی طرح سے ادا ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نون اپنے بعد آنے والی بعض آوازوں سے ہم مخرج ہو کر بولا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کندن، انڈا، رنج، تنگ، جانا وغیرہ الفاظ میں نون کے مخرج میں ذرا ذرا سا فرق پایا جاتا ہے۔ ایک ہی آواز کے یہ مختلف روپ آوازوں کی درجہ بندی کے لیے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اس موضوع پر اب تک جن حضرات نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے، ان میں ڈاکٹر زور مرحوم، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، عبدالقادر سروری صاحب اور ڈاکٹر گیان چند کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے اکثر اس بات پر متفق ہیں کہ اردو میں نون کی بنیادی آواز ایک نہیں، دو ہیں یعنی ن اور نؔ۔ مجھے شروع ہی سے یہ تقسیم مناسب معلوم نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ میں نے اپنے کتابچے "اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو" کے دوسرے ایڈیشن میں نون کی مختلف شکلوں کی درجہ بندی محض مخرج کے اعتبار سے نہیں کی بلکہ اس کی صوتیاتی نوعیت کو بھی پیش نظر رکھا۔ اس طرح میں نے ہم مخرج نون اور نون کی دو مدیں قائم کیں۔ امریکہ میں آ کے مزید مطالعہ کرنے اور ماہرین سے مشورہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ نون کو دو بنیادی آوازوں کے طور پر پیش کرنے کا نظریہ قرین صحت نہیں۔ اگر زبان کے مجموعی ڈھانچے کو نظر میں رکھا جائے تو نون کی مختلف شکلوں کی درجہ بندی نہایت آسانی سے واضح طور پر کی جا سکتی ہے۔ ان چند سطروں کا مقصد یہی ثابت کرنا ہے کہ نون کے تمام روپوں کو ایک ہی "بنیادی آواز" (PHONEME) کے ذیل میں سمیٹا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے ان الفاظ کو دیکھیے ہر شق کے الفاظ کا تلفظ دوسری شق کے الفاظ میں آنے والے نون سے قدرے مختلف ہے:

(۱) سنت۔ پنت۔ اندازہ۔ تند۔ شگند ہ۔ گندا۔ کندھا
بند۔ بندھ۔ منت۔ کندن۔

(۲) انڈا۔ ٹھنڈا۔ گنڈا۔ کنٹھ۔ انٹی۔ گھنٹی۔ کنڈی۔ کنڈل۔

(۳) رنج۔ گنج۔ پنچ۔ کنج۔ پنچھی۔ سنجھا۔ کنجوس۔ کنجی۔

(۴) رنگ۔ سنگ۔ تنگ۔ جنگ۔ گنگا۔ ڈنکا۔ ڈونگا۔ پنکھ۔ کنگھی

(۵۔ الف) بن۔ بنا۔ نور۔ گانا۔ سنا۔ جلنا۔ اون۔ دن۔ نانی۔

اس مختصر مضمون میں نون کی مندرجہ بالا شکلوں کے لیے جو اصطلاحیں اور علامتیں استعمال کی جائیں گی، وہ بالترتیب یوں ہیں:

ہم مخرج دنتی نون	n̪ (HOMORGANIC DENTAL n)
〃 معکوسی 〃	ṇ (〃 RETROFLEX n)
〃 تالوئی 〃	ñ (〃 PALATAL n)
〃 غشائی 〃	ŋ (〃 VELAR n)
لثوی نون	n (ALVEOLAR n)

اوپر جو مثالیں دی گئی ہیں، ان کی روشنی میں نون کے پانچ تلفظ آسانی سے ایک دوسرے سے الگ پہچانے جا سکتے ہیں یعنی (۱) دنتی نون ت اور د سے پہلے، (۲) معکوسی نون ٹ اور ڈ سے پہلے (۳) تالوئی نون چ اور ج سے پہلے، اور (۴) غشائی نون ک اور گ سے پہلے ہم مخرج ہو کر آتا ہے۔ باقی سب جگہ لثوی نون ہی استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح گویا نون کی پانچ آوازیں ہیں اور بظاہر ان پانچوں میں باہمی سمجھوتہ ہے کہ ایک کی جگہ پر دوسری نہیں آئے گی۔ یعنی نون کے پانچ روپوں میں سے ہر ایک کا اپنا مخصوص صوتی ماحول ہے اور ایک کے ماحول میں دوسرا دخل انداز نہیں کرتا۔ لسانیات کا اصول ہے کہ اگر آوازوں (PHONES) کے کسی مجموعے میں ایسا باہمی سمجھوتہ ہو تو وہ تمام آوازیں آپس میں تکملی تقسیم (COMPLIMENTARY DISTRIBUTION) میں ہوتی ہیں۔ مزید یہ کہ ان تمام آوازوں کو ایک بنیادی آواز کے ذیل میں رکھا جا سکتا ہے۔ اس بنیادی آواز کو فونیم (PHONEME) کہیں گے اور اس کی مختلف شکلوں کو ذو فون (ALLOPHONE) یعنی ذیلی آوازیں کہیں گے۔ گویا اردو میں اگر نون کو ایک فونیم مانا جائے تو اس کے مندرجہ بالا پانچوں تلفظ اس کے پانچ ذو فون قرار پائیں گے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ یہ درجہ بندی اتنی آسان نہیں جتنی اب تک کے بیان سے نظر آتی ہے۔ مزید بحث سے پہلے یہ مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۵ ب) یہی الفاظ: منگا، تنبو، بھنگا، ونگا، ٹنگا، مستی، سخی، تنکی، بنی۔

مستعار الفاظ: انکار، منکر، منکرہ، انکسار، انکشاف، منکشف، منکوحہ۔

اوپر ہم نے کہا تھا کہ ک، گ سے پہلے غشائی نون آتا ہے اور باقی جگہ لثوی۔ لیکن (۵ ب) کی مثالوں سے اس بیان کی تردید

ـہ ن: لثوی نون [n] ںؔ: غشائی نون [ŋ]
ـہ نون بہ طور مصمتہ یعنی حرف صحیح۔ اس مختصر مضمون میں نون غنہ کی بحث شامل نہیں۔

ـہ یعنی اور اس مضمون کے بعد کے مضمون میں ت، د، ٹ، ڈ وغیرہ بندشی آوازوں سے ایسے کے ساتھ ہ، غیر ہکار دونوں روپ مراد ہیں، یعنی ت تھ د دھ، ٹ ٹھ وغیرہ

ہوتی ہے۔ ان تمام دیسی اور مستعار الفاظ میں لثوی نون بھی ک گ سے پہلے استعمال ہوتا ہے گویا ان مثالوں میں لثوی نون باہمی سمجھوتے کے اصولوں کو توڑ رہا ہے اور غنائی نون کی جگہ پر بھی براجمان نظر آتا ہے۔ گویا لثوی نون ایک ہی صوتی ماحول میں غنائی نون سے ٹکرا رہا ہے۔ اوپر ہم نے فونیم اور ایلوفون کی جو تعریف کی تھی، اس کی رو سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ جب دو آوازیں ایک ہی صوتی ماحول میں ٹکرا رہی ہوں تو وہ ایک فونیم کی ایلوفون نہیں ہو سکتیں۔ اردو میں نون کو ایک فونیم قرار دینے میں سب کا بڑا رخنہ یہی ہے۔

اسی بنا پر ماہرین نے اردو میں نون کی ایک نہیں دو بنیادی آوازوں کا وجود تسلیم کیا ہے۔ ڈاکٹر زور نے "ہندوستانی صوتیات" میں غنائی نون کو نون سے الگ دکھایا ہے (ص ۸۹)۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے بھی اپنے انگریزی رسالے میں لثوی نون اور باقی طرح کے نون میں امتیاز کیا ہے (ص ۹۱)۔ عبدالقادر سروری صاحب نے بھی اپنی کتاب "زبان اور علم زبان" کے ایک نقشے میں دونوں کی الگ الگ نشان دہی کی ہے۔ فونیم کے نظریے کی رو سے نون کی درجہ بندی کی کوشش ڈاکٹر گیان چند اور راقم الحروف نے کی ہے۔ ہم سے پہلے ہندی میں یہ کوششیں ایک مدت سے جاری ہیں۔ وہاں غنائی نون کا وجود نون سے الگ مانا گیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے بھی غنائی نون کو ایک فونیم اور باقی شکلوں پر محیط نون کو دوسری فونیم مانا ہے میں نے اپنے رسالے "اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو" کے دوسرے ایڈیشن اور اس سے ماخوذ اپنے اس مضمون میں جو ستمبر ۱۹۶۳ء کے "اردو نامہ" میں شائع ہوا ہے، اس تجزیے کے برعکس لثوی نون کو ایک فونیم اور باقی شکلوں پر محیط نون کو دوسری فونیم مانا تھا۔ ڈاکٹر گیان چند نے "اردو نامہ" اپریل ۱۹۶۴ء میں لکھا ہے کہ صرف انھیں کا طریقہ صحیح ہے اور باقی سب غلط۔ ان کے دلائل کی کمزوریوں اور ان کی بعض دوسری لسانیاتی لغزشوں کا مفصل جائزہ "اردو نامہ" ہی میں عنقریب شائع ہوگا۔ یہاں صرف اتنا جتانا مقصود ہے کہ فونیم کی درجہ بندی کے ایک سے زیادہ راستے ہو سکتے ہیں اور اگر صوتیاتی تجزیے کا مقصد زبان کی مختصر آوازوں کو کم سے کم فونیم میں اسیر کرنا ہے تو نون سے متعلق جو نیا نظریہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اسے سابقہ تمام نظریوں پر فوقیت حاصل ہے۔

نون کے جو پانچ روپ اوپر پیش کیے گئے، ان میں سے غنائی نون کو بنیادی آواز ماننے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ ہم ایک ایسی آواز کو بنیادی آواز کا درجہ دینا چاہتے ہیں جس کا اپنا کوئی آزادانہ وجود ہے ہی نہیں۔ آزادانہ وجود سے یہاں یہ مراد ہے کہ اردو میں یہ آواز مابعد ک اور گ کے بغیر بولی ہی نہیں جاتی یعنی صوتیاتی اعتبار سے یہ "اپاہج" آواز ہے اور دوسری آوازوں کے سہارے کے بغیر اپنے طور پر استعمال نہیں ہوتی۔ اس سلسلے میں انگریزی کی کورانہ تقلید کی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ انگریزی میں غنائی نون [ŋ] کو [n] سے الگ فونیم مانا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے انگریزی میں غنائی نون لفظ کے وسط یا آخر میں ک اور گ کے سہارے کے بغیر آزادانہ طور پر آسکتا ہے، مثلاً sin / ISI اور sing / کے اقلی جوڑے میں موخرالذکر لفظ میں [ŋ] آزادانہ طور پر آیا ہے۔ اس کے برعکس اردو میں یہ آواز ک یا گ کے سہارے کے بغیر نہیں آسکتی۔ انگریزی [ŋ] کی طرح اردو [ڑ] بھی صرف وسطی اور آخری حالت میں آسکتا ہے چنانچہ اسے فونیم کا درجہ دیا جاتا ہے، جب کہ غنائی نون اپنے طور پر آزادانہ کہیں بھی نہیں آتا۔ جہاں بھی آتا ہے، ک یا گ سے ہم مخرج ہو کر آتا ہے۔ اگر کسی لسانیاتی تجزیے میں ایسی بے دست و پا آواز کو بنیادی آواز یعنی فونیم کا درجہ دیا گیا ہے تو ہمیں یقین کر لینا چاہیے کہ درجہ بندی کو مکمل کرنے کے لیے کھینچ تان سے کام لیا گیا ہے اور ایک ایسی آواز کو بنیادی آواز کے رتبے پر فائز کر دیا گیا ہے جو دراصل اس کی مستحق نہیں۔

اس مسئلے کے بہتر حل کی تلاش جاری رکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ اپنے وقوع کی حد بندی کے اعتبار سے غنائی نون کی نوعیت وہی ہے جو دنتی، تالوئی یا معکوسی نون کی۔ یعنی جس طرح دنتی نون وغیرہ صرف خاص خاص آوازوں سے ہم مخرج ہو کر بولے جا سکتے ہیں، اسی طرح غنائی نون بھی بعض مخصوص آوازوں سے ہم مخرج ہو کر آتا ہے۔ اردو میں غنائی نون کے ک یا گ کے بغیر واقع ہونے کی کوئی مثال میری نظر سے نہیں گزری چنانچہ ہم اگر دنتی نون وغیرہ کو ایلوفون یعنی ذیلی آوازیں مان رہے ہیں تو غنائی نون کو بھی ذیلی آواز ماننا چاہیے۔ اگر ہم ایسا نہیں کر سکتے تو ہمیں سوچنا چاہیے کہ یا تو ہم صوتیاتی تجزیے کی ترازو کو ٹھیک سے نہیں پکڑے ہوئے یا پھر ہم نے زبان کے ڈھانچے میں کسی اہم نکتے کو نظر انداز کر دیا ہے۔

ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں کہ غنائی نون کو نون کے باقی روپوں کے ساتھ ایک فونیم ماننے میں سب سے بڑی اڑچن شق (۵ ب) کے الفاظ کی وجہ سے پیش آتی ہے یعنی ک، گ سے پہلے غنائی نون بھی آسکتا ہے (شق ۴) اور لثوی نون بھی (شق ۵ ب)۔ گویا تمام جھگڑے کی جڑ شق (۵ ب) کے الفاظ ہی ہیں۔ چنانچہ آئندہ تجزیے میں ہمیں اپنی توجہ انھیں الفاظ پر مرکوز کرنی پڑے گی۔ اس سلسلے میں پہلا قدم یہ ہے کہ ہمیں نون کے ان دو روپوں کا جائزہ اردو زبان کے پورے صوتیاتی نظام کی

(بقیہ صفحہ ۱ پر)

رُباعیات

شمسی طہرانی

تنویر کے پہلو میں سیاہی توبہ　　تعمیر کے پردے میں تباہی توبہ
شیطان بھی ڈھونڈھتا پھرتا ہو پناہ　　اس دور کا انسان الٰہی توبہ

انسان کو نئی راہ پہ چلتے دیکھا　　ہر شے کو نئے سانچے میں ڈھلتے دیکھا
اللہ رے آئینِ تغیر شمسی　　ہر آن زمانے کو بدلتے دیکھا

آئینۂ فطرت کو جلا دیتی ہے　　ایوانِ تفکر کو سجا دیتی ہے
اللہ رے یہ شیخ یہ تاثیرِ شراب　　انسان کو انسان بنا دیتی ہے

تحفہ بہ صحرا سے مئے خس پی لی　　گلشن سے شرابِ گل تر بھی پی لی
وہ جام کو ہونٹوں سے لگا کر بہ بے　　منہ پھیر کے کہنا ترا بس بس پی لی

کوزے

اختر بستوی

فکر کی قوتِ پرواز کو سب کچھ سمجھا　　معجزے روح کی عظمت کے نہ سمجھے ہم نے
حل کیے ذہن نے ہستی کے ہزاروں عقدے　　کر لیے بند مگر دل کے دریچے ہم نے

عقل دیتی ہے زمانے کو سکوں کا پیغام　　عقل دنیا کے لیے قہر و غضب بنتی ہے
عقل سے چہرۂ ہستی پہ نکھار آتا ہے　　عقل انسان کی تباہی کا سبب بنتی ہے

پھر مرے دل پہ کوئی ٹھیس لگی ہے گہری　　پھر مرے پیار سے شاید کوئی معصوم ہنسا
آج پھر حسن کو معصوم سمجھ بیٹھا ہوں　　غالباً پھر کوئی پیمانِ وفا ٹوٹ گیا

گر پڑی دامنِ بینائی سے شبنم لیکن　　گل کے ہونٹوں کو بھی اس شبنم نے تبسم بخشا تھی
عشق بیباک کی اظہار پہ نادم کیوں ہو　　حسن کی شوخ نگاہوں میں بھی آمادگی تھی

آج کل میں ہوں زمانے کے مظالم کا شکار　　ساری دنیا کو ہے پرخاش عداوت مجھ سے
سب سمجھتے ہیں مجھے لائقِ تعزیر مگر　　مطمئن ہوں کہ نہیں تم کو شکایت مجھ سے

جب ترے در سے اس انداز سے لوٹا ہوں　　جیسے دیوارِ گلستاں سے پھرے بادِ صبا
جیسے ساحل کے کنارے سے ہو موجِ واپس　　جیسے افلاک سے پلٹے کسی زاہد کی دعا

انجمن ترقی اردو ضلع محبوب نگر کی اردو کارکنوں سے اپیل

محبوب نگر۔ انجمن ترقی اردو ضلع محبوب نگر کے سکریٹری شری محبوب علی نصرت فاروقی نے اپنے صحافتی بیان کے ذریعہ ضلع کے تمام اردو کارکنوں اور شاخوں کے عہدہ داروں سے اپیل کی ہے کہ جہاں کہیں مدارس تحتانیہ، وسطانیہ اور فوقانیہ میں اردو متوازی جماعتوں کے قیام کی ضرورت داعی ہو وہ اپنے محضر چیرمین ضلع پریشد، عہدہ داران تعلیمات متعلقہ، بلاک ڈیولپمنٹ آفیسر بلاک متعلقہ کے پاس ۱۰ فروری تک اپنی درخواستیں روانہ کریں اور اس کی ایک ایک کاپی سکریٹری انجمن ترقی اردو ضلع محبوب نگر، انجمن ترقی اردو، آندھرا پردیش اردو ہال حمایت نگر حیدرآباد کے پتہ پر روانہ کریں تاکہ ترتیب موازنہ سال ۱۹۹۵-۹۶ء سے قبل متعلقہ مذکورہ عہدہ داروں کو نظامت تعلیمات پر اپنی سفارشات روانہ کرنے میں آسانی ہو۔ اگر اس تاریخ تک محضر اور درخواستیں متعلقہ عہدہ داروں تک نہ پہونچ سکیں تو سال تعلیم جون ۱۹۹۵ء میں جماعتوں کے قیام میں دشواری ہوگی۔ درخواستیں ذریعہ رجسٹری روانہ کریں۔ تعلقہ جات تحتل، کوڑنگل، عالم پور، اتماکور، گدوال، ونپرتی، کولاپور کے عوام ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر ونپرتی کے پتہ پر اور محبوب نگر، شادنگر، کلواکرتی، ناگر کرنول، اچم پیٹ کے عوام ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل آفیسر ضلع محبوب نگر کے پتہ پر اردو کلاسس کے قیام کے لیے درخواستیں پیش کریں۔ بیان میں مزید یہ بتایا گیا ہے کہ محضروں کے علاوہ مقررہ فارمس کی تکمیل صدر مدرس مدرسہ متعلقہ اور صدر تعلیمی کمیٹی متعلقہ سے کروا کر چیرمین ضلع پریشد پنچایت سمیتی متعلقہ جیسی بھی صورت ہو روانہ کرنے کا انتظام کریں۔ آخر میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جہاں کہیں اردو جماعتوں کے قیام کے سلسلہ میں رکاوٹیں پیدا ہوں فوری انجمن ضلع کو مطلع کریں تاکہ موثر نمائندگی میں سہولت ہو۔ (خبر محبوب نگر)

نعت گو شعرا کا تذکرہ

یہ خیال کرتے ہوئے کہ اردو زبان میں نعت گو شعرا کا تذکرہ ابھی تک مرتب نہیں کیا گیا اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور نعت گو شعرائے جدید و قدیم کا ایک تذکرہ زیر ترتیب ہے۔ میں نعت گو شعرا اور ان شائقین نعت سے جن کے گھر میں نعتیہ دیوان (غیر معروف) اور گوشہ نشین نعت گو شعرا ہوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ جلد از جلد مختصر حالات زندگی اور نعتیہ کلام ارسال فرما کر ایک نیک مقصد میں تعاون کریں۔

مرتب

شمیم صبائی متھراوی ایم۔ اے ۱۹۲ لیف جیکب لائن
کراچی ۳

ابو علی اعظم گڑھ

مولانا ابوالکلام آزاد کے مضامین کے مجموعے

یوں تو مولانا ابوالکلام کے مضامین کے کئی مجموعے چھپے اور مختلف مقاصد کے تحت شایع کیے گئے، اور لوگوں نے ان سے خوب مالی فائدہ بھی اٹھایا، لیکن ناشروں نے ان مقالات کو فن وار تقسیم اور مرتب کرنے کی کوشش نہیں کی، جو مضامین ان کی نظرِ انتخاب میں آئے بغیر کسی منطقی تنظیم و ترتیب کے چھپوا کر شایع کر دیے، اور سمجھے کہ انھوں نے علم و ادب کی بڑی گرانقدر خدمت انجام دیدی، اور اس طرح سے مولانا سے عقیدت کا حق بھی ادا ہو گیا۔ اس حد تک تو یقیناً وہ ناشر ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں، کہ گو بے ترتیب ہی سہی، لیکن ان جواہر ریزوں کو قدر شناس جوہریوں کے سامنے لاتے رہے، اور مولانا کی یاد تازہ ہوتی رہی، لیکن ضرورت ہے کہ اب ان تمام مقالات، تراجم، اور مضامین کو جو شہرت سے پہلے مخزن لاہور، لسان الصدق کلکتہ، الندوہ لکھنؤ اور وکیل امرتسر میں چھپے اور شہرت کے بعد ان کے ذاتی اخبارات اقدام، الہلال، اور البلاغ وغیرہ میں چھپتے رہے اور تمام ملک میں ان کے منفرد طرزِ انشا، اور اسلوب تحریر کی بنا پر پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے گئے، ان سب کو پہلے اکٹھا کیا جائے، اور پھر فن وار تقسیم کر کے الگ الگ جلدوں میں شایع کیا جائے، جس طرح مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے استاد مولانا شبلی کے تمام متفرق مقالات کو جو مختلف موضوع پر تھے اور جو الندوہ، مسلم گزٹ، [illegible] الاخلاق وغیرہ میں چھپے تھے، اور جو تحقیق اور معلومات کے لحاظ سے ان کی مستقل تصنیفات سے کسی طرح کم نہیں سمجھے، فن وار تقسیم کر کے نہایت اہتمام کے ساتھ جلدوں میں شایع کیا ہے، اور جس طرح اسی کی تقلید میں بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب نے مولانا حالی کے مضامین کے متعدد مجموعے شایع کیے ہیں، اسی طرح مولانا ابوالکلام کے تمام مقالات بھی جو بعض بعض مستقل رسالہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور جو ان کی غیر معمولی قابلیت، استعداد، استحضار، قوت حافظہ اور وسعت فکر و نظر کے آئینہ دار ہیں، دس بارہ جلدوں میں آ جائیں گے، اس طرح سے وہ مرحوم پرچے جو کبھی بڑی آب و تاب سے نکلے، اور زندگی کے دن پورے کر کے ختم ہو گئے اور تاریخ نے ان کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ان کا سارا علمی و تاریخی و ادبی اندوختہ دستبردِ زمانہ سے محفوظ ہو جائے گا۔ ان میں سے اکثر مقالات وقتی اور ہنگامی ہیں، مثلاً جنگ بلقان، غزوۂ طرابلس، ہنگامۂ کانپور، مسلم یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی کے اجلاس لکھنؤ اور ندوہ کی اسٹرائیک وغیرہ سے متعلق ان کے پُرجوش، ولولہ خیز اور اثر انگیز اداریے اور مقالات، تو ان کا کوئی مجموعہ شایع کرنے کی بظاہر ضرورت نہیں معلوم ہوتی، لیکن یہی مضامین مولانا کے مخصوص خطیبانہ طرزِ انشا کا اعلیٰ ترین نمونہ ہیں، اور جن میں انھوں نے خوب خوب اپنے قلم کا جوہر دکھایا ہے، وہ اگر نظر انداز کر دیے جائیں، تو اردو زبان ایک جاندار لٹریچر سے محروم ہو جائے گی، جس کو پڑھ پڑھ کر اس زمانہ میں کتنے ادیب، انشا پرداز، اہلِ قلم مقرر اور اسپیکر ہو گئے، اس کا تتبع اگرچہ بہت مشکل تھا، تاہم لوگوں نے اس کی تقلید کی، اور ایک عرصہ تک لوگ اس کے رنگ و آہنگ میں مضامین لکھتے رہے۔ اس لیے ادبی حیثیت سے ان کا بھی جمع کر لینا بہت ضروری ہے، ان مضامین میں جوش و اثر کے ساتھ پرزور الفاظ، دلکش تراکیب اور دلاویز استعارات و تشبیہات کا بڑا ذخیرہ ہے، اگرچہ اس دور میں بڑی حد تک متروک ہو گئے ہیں، لیکن پھر بھی ان کے بہت سے الفاظ، جملوں، ترکیبوں، استعاروں، تشبیہوں کو استعمال کر کے تحریروں میں آب و رنگ پیدا کیا جا سکتا ہے۔

یوں تو اردو میں بہت ساری زبانوں کے الفاظ ہیں، یہاں تک کہ پرتگالیوں کی ہندوستان کے ایک حصہ میں چند روزہ حکومت کے دور میں پرتگالی زبان کے بھی الفاظ آ گئے، اور وہ اس طرح اردو میں پیوست ہو گئے، کہ کسی طرح ان کو پہچانا بھی نہیں جا سکتا، عربی اور فارسی کا تو اس سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہے، اس کے عربی الفاظ کے ذخیرہ کا اگر جائزہ لیا جائے، تو اس میں سب سے زیادہ حصہ ابوالکلام کے دیئے ہوئے الفاظ کا ہوگا، اور وہ سب ایک سے ایک بڑھ کر جاندار، پُرمعنی، اور باوزن، ان کے استعمال کا سلیقہ ہو، تو ایک معمولی عبارت کہیں سے کہیں پہنچ جائے، ابوالکلام نے سیکڑوں الفاظ اس طرح کے استعمال کیے ہیں، جن کے متعلق کسی کو وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا، کہ اردو کی نزاکت ان کی متحمل ہو سکتی ہے، لیکن انھوں نے استعمال کیے تو وہی بھدے، کرخت، اور سخت لفظ، ان کی عبارت میں جا کر نگینہ بن گئے، بہت خوشنما، تابدار اور خوش آہنگ کہ سامعہ جھوم اٹھے اور لوگوں پر ایک رقص کی کیفیت طاری ہو جائے، الہلال کے سمجھنے والے کم تھے لیکن پڑھتے سبھی تھے، ایک پڑھتا تھا، اور دس سنتے تھے، اور الفاظ کے ترنم اور خوش نغمگی پر جھومتے اور رقص کرتے تھے، یہ الہلال کا سحرِ حلال تھا جو عالم و جاہل، رند و پارسا سب پر یکساں اثر کر رہا تھا۔

میرے ایک ہشتاد سالہ استاد تھے۔ مولوی خدا بخش صاحب مرحوم، عربی کے فاضل فارسی ادبیات کے ادا شناس

اور ان دونوں زبانوں کے بہت اچھے مدرس، اس کے ساتھ زاہد شب زندہ (صائم الدہر و قائم اللیل) دن رونے گذرتا تھا اور رات ذکر و عبادت میں، منہیات سے اس قدر مجتنب کہ اللہ اللہ، تکمہ دار کرتہ جس کا گریبان ہمیشہ کھلا رہتا، اور ساق تک پائجامہ معمولی بدعت تک برداشت نہیں کر سکتے تھے، لیکن بحضور الہلال، جس میں ہر طرح کی تصویریں ہوتی تھیں، جب ان کے پاس ڈاک سے آتا تھا تو اس کو پا کر اتنا خوش ہوتے تھے، کہ گویا ان پر صحیفۂ آسمان نازل ہو گیا ہے، جب تک اس کا ایک ایک حرف پڑھ نہیں لیتے تھے کسی کو دیتے نہیں تھے، نہ دوران مطالعہ میں، ان سے کوئی لے سکتا تھا، ایک مرتبہ ان کے ایک لائق شاگرد نے جو عربی کا منتہی طالب العلم تھا، ان سے لینے کی جسارت کی، تو ان کو اس زور سے ڈانٹا کہ وہ دم بخود ہو گئے۔

یہ تھا اثر مولانا ابوالکلام کی عربی و فارسی کے الفاظ و تراکیب سے گرانبار تحریروں کا، اس لیے اگر ان کو قرینہ سے اکٹھا اور شایع نہ کیا گیا، اور وہ دستبرد زمانہ سے خدانخواستہ ضائع ہو گئیں، تو اردو کے صحافتی اور ادبی لٹریچر کا کتنا بڑا ضیاع ہوگا،

ہمیں نہیں معلوم، کہ مولانا کی وفات کے کچھ ہی دنوں کے بعد، مولانا کے تمام آثار علمیہ و ادبیہ کے طبع و اشاعت کے لیے موجودہ نائب صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کی صدارت میں جو بورڈ بنا تھا، اور جس کے ارکان میں مسٹر تارا چند، پروفیسر ہمایوں کبیر اور اجمل خاں جیسے صاحب ذوق و اہل قلم ہیں۔ . . .

. . . اس نے مولانا کے افادات عالیہ کے جمع و ترتیب، اور طبع و اشاعت کے سلسلہ میں کتنا کام کیا ہے ان بزرگوں میں پروفیسر اجمل خاں صاحب کا تو مولانا سے بڑا قریبی تعلق رہا ہے بلکہ مولانا کے مسودات اور کاغذات کے غالباً وہی تنہا امین بھی ہیں اس سلسلہ میں ہماری سب سے زیادہ توقع انہی سے ہے

زنداں خانۂ قلعۂ احمد نگر کی تنہائیوں میں جو خطوط عالم خیال میں مولانا شروانی کو مخاطب کر کے لکھے گئے تھے، اور جو جیل کی گوناگوں پابندیوں اور رکاوٹوں کی وجہ سے مکتوب الیہ کو بھیجے نہیں جا سکے تھے، مولانا آزاد کے جیل سے رہائی کے بعد ان خطوط کے مجموعہ کی شکل میں غبار خاطر کے نام سے چھپنے اور شایع ہونے میں درحقیقت انہی اجمل خاں صاحب کے جذبۂ شوق اور قدردانی کو دخل تھا، ورنہ اگر مولانا کا بس چلتا، تو جیسے تذکرہ کی اور جلدیں لکھی لکھائی طبع و اشاعت سے محروم رہ گئیں، یہ بھی حالیہ طبع سے محروم رہ جاتے، اور ضائع جاتے، اجمل خاں صاحب نے ان خطوں کو مرتب کیا، اور اس پر مولانا ہی کے اسلوب میں ایک دلچسپ معلومات افزا مقدمہ لکھا، اور لاہور کے زمزم پریس میں چھپوا کر شایع کیا، اور اس طرح ان کی کوششوں سے اردو کے خزانۂ ادب میں بہت بیش قیمت چیز کا اضافہ ہوا، جس کے لیے وہ تمام پرستاران ادب ابوالکلام کے بجا طور پر شکریہ کے مستحق ہیں، یہی توقع ہم ان سے مولانا کے اور افادات قلم کے جمع و ترتیب اور طبع و اشاعت کے بارے میں بھی رکھتے ہیں ہمیں امید ہے کہ مولانا کے ان تمام مسودات و کاغذات کو جو گردش زمانہ سے منتشر اور پراگندہ ہو گئے تھے۔ ایک ایک کر کے اکٹھا کر لیا گیا ہوگا اور الہلال و البلاغ اور دوسرے رسائل و اخبارات کے تمام مضامین کی نقل اور ترتیب کا کام بھی ختم ہو گیا ہوگا، بہرحال ملک کے لاتعداد حلقہ بگوشان ابوالکلام کو بورڈ کی خدمات کا شدت کے ساتھ انتظار ہے، مولانا کو انتقال کیے ہوئے ۷ سال ہوتے ہیں، لیکن جہاں تک ہماری یاد کام کرتی ہے، اب تک بورڈ نے مولانا کی کوئی چیز شایع نہیں کی ہے جو ایک افسوس کی بات ہے۔

[نوٹ: ساہتیہ اکاڈمی نے مولانا آزاد کے انتقال کے بعد ایک کمیٹی مولانا کی تمام تحریروں کو یکجا کر کے شایع کرنے کے لیے بنا دی تھی اور جناب اجمل خاں صاحب کو مواد فراہم کرنے کے لیے مامور کر دیا تھا۔ اجمل خاں صاحب نے کئی جلدوں میں یہ تحریریں یکجا کر دی ہیں۔ ترجمان القرآن اور تذکرہ نظر ثانی کے بعد چھپ رہے ہیں۔ دوسری جلدوں کی ترتیب و تہذیب کا کام جاری ہے۔ یہ سلسلہ غالباً آٹھ دس جلدوں میں آئے گا۔ (ادارہ)]

انجمن ترقی اردو کا قیام

فیروز پور میں اردو ادب و زبان کی توسیع و اشاعت کی ضرورت کو محسوس کر کے دفتر ہفتہ وار چنگاری میں ایک نشست ہوئی جس میں بلراج سیٹھی، ستیہ پال باغی بہاری لال دیوانہ، کندن گوڑ گانوی، فنکار فیروز پوری۔ راحت تونسوی اور دیگر شعراء نے شرکت فرمائی، اور فیصلہ کیا گیا کہ فیروز پور میں انجمن ترقی اردو کی شاخ قائم کی جائے، قواعد و ضوابط مرتب کرنے اور دیگر ابتدائی اقدام کے لیے کندن گوڑ گانوی کو کنوینر مقرر کیا گیا ہے۔ (ستیہ پال باغی جنرل سکریٹری فیروز پور)

دہلی یونیورسٹی میں پروفیسر آل احمد سرور کی تقریر

دہلی۔ دہلی یونیورسٹی کا اکیڈمک لکچر بورڈ ہر سال دوسری یونیورسٹیوں کے پروفیسروں کو اپنے یہاں ان کے اپنے خاص موضوع مطالعہ پر تقریر کرنے بلاتا ہے امسال ۲۹ رجنوری کو پروفیسر آل احمد سرور نے ان لکچرس کے سلسلہ میں "اردو تنقید" پر تقریر کی۔ (آر۔ ڈی۔ جوشی منتظم)

• سلات

آسغر صحیح کیا ہے!

ROBUST LANGUAGE کے ترجمے کے سلسلے میں مختلف حضرات نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا اور میں نے اس کا ترجمہ "درشت کلامی" مناسب سمجھا تھا۔ ۲۳ دسمبر ۹۴ء کے "ہماری زبان" میں جناب اقبال کرشن صاحب کا ایک مراسلہ "سب غلط" کے عنوان سے شایع ہوا ہے۔

جناب اقبال کرشن صاحب نے اپنے مراسلے میں لکھا ہے "سرور صاحب کے ترجمے "بگڑی زبان" کو چھوڑ کر باقی تمام کے تمام یکسر غلط ہیں۔" اس جملے کو پڑھ کر میں نے سمجھا کہ اقبال کرشن صاحب کم از کم سرور صاحب کے ترجمے کو درست سمجھتے ہیں مگر جب ان کے دوسرے جملے پر میری نظر پڑی تو میں حیران رہ گیا۔ وہ لکھتے ہیں "لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سرور صاحب کا ترجمہ میں صحیح مان رہا ہوں۔ نہیں یہ بھی غلط ہے وہ یوں کہ Robust کا قریب ترین مساوی لفظ "کڑا" نہیں ہو سکتا۔ بے شک Robust کے معنی کڑا ہی ہیں لیکن کیا پوری اردو زبان میں اس مفہوم کا بھی ایک لفظ ہے؟"

قربان جائیے اس انداز بیان کے کہ ایک ہی سانس میں اقرار بھی ہے اور انکار بھی، اعتراف بھی ہے اور تردید بھی، تصدیق بھی ہے اور تکذیب بھی۔ جناب اقبال کرشن صاحب نے اپنے مراسلے میں عجیب تضاد بیانی سے کام لیا ہے۔ اسی مراسلے میں جناب نے ہم کو لفظ Robust پر غور کرنے کی دعوت دی ہے اور بتایا ہے کہ یہ لفظ لاطینی لفظ Robustus سے نکلا ہے۔ لفظ "کڑا" پر آپ کا یہ اعتراض بھی ہے کہ یہ Robust کی طرح نرم اور ملائم نہیں ہے اور اس کی بدصوتیت بھی ان کو بری طرح کھٹکتی ہے۔ بعد میں آپ نے "خود ہی" گٹھیلا کا لفظ Robust کے ترجمے کے طور پر پیش کیا ہے۔ مگر اس سے وہ خود بھی مطمئن نہیں ہیں اور فیصلہ کسی بڑے پر چھوڑ کر منتظر ہیں۔ ع مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

جناب اقبال کرشن صاحب نے یہ تو بتایا کہ لفظ Robust لاطینی Robustus سے نکلا ہے مگر جناب نے یہ غور نہیں فرمایا کہ لاطینی زبان میں Robustus کے وہی معنی ہیں جو انگریزی لفظ کے ہیں لہذا اس لغوی تحقیق سے بھی ہماری مشکل حل نہیں ہوتی۔ لفظ "کڑا" کی بدصوتیت اگر جناب کو کھٹکتی ہے تو "گٹھیلا" کی خوش آوازی بھی ہمارے کانوں کو کچھ بھلی نہیں لگتی۔ لہذا اب تک جو مختلف ترجمے پیش کیے گئے ہیں ان میں "بگڑی زبان"، "بگڑے الفاظ"، "سخت الفاظ"، "درشت کلامی" یا "درشت الفاظ" میں سے ہر ترجمہ Robust Language کا مفہوم ادا کر سکتا ہے۔

(سراج الحسن سراج ادری)

شہید اعظم

عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ "شہید اعظم" حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی تصنیف ہے۔ لیکن سلسلۂ اشاعت "ماہ مبین" لکھنؤ کی جانب سے شایع شدہ پمفلٹ (نمبر ۲۸) میں "شہید اعظم" پر تبصرہ فرماتے ہوئے سرکار سید العلماء دام ظلہ نے لکھا ہے کہ "مولانا ابوالکلام آزاد صدر آل انڈیا نیشنل کانگریس کمیٹی ایک بالغ نظر انسان ہیں۔ اس لیے ایسی کتاب کا ان کے نتائج قلمی ہی سے ہونا خالی از تعجب نہ تھا۔ مگر ہمارے دوست الحاج نواب سید محمد عباس صاحب طالب صفوی رئیس شمس آباد قابل مبارکباد ہیں اس انکشاف پر کہ یہ کتاب دلی کے ایک غیر معروف ابوالکلام آزاد کی ہے جنھوں نے دلہن کی ڈائری وغیرہ بعض سوقیانہ اور نہایت مبتذل کتابیں لکھی ہیں۔"

جہاں تک میری محدود معلومات کا تعلق ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ "دلہن کی ڈائری" غلام احمد امروہوی نے لکھی ہے نہ کہ "دلی کے ایک غیر معروف ابوالکلام آزاد" نے۔ ہاں "تاج العروس" نامی ایک کتاب ابوالبیان آزاد نے لکھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب طالب صفوی صاحب یا تو خود کسی غلط فہمی کے شکار ہیں یا پھر وہ دیدہ و دانستہ "شہید اعظم" کے متعلق غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں۔ اس لیے اہل علم سے گزارش ہے کہ وہ بتائیں کہ جناب طالب صفوی صاحب کے "انکشاف" بالا کی اصل حقیقت کیا ہے۔

(عبدالوہاب تسنیم)

میر کی سیادت

یکم جنوری ۱۹۹۵ء کے ہماری زبان میں "میر کی سیادت" کے عنوان سے مناظر عاشق ہرگانوی صاحب کا مراسلہ شایع ہوا ہے جس میں انھوں نے اس رائے سے اتفاق کیا ہے کہ "شیخ سید میر مرزا خواجہ یا خان وغیرہ کا الحاق اس بات کی سند نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص واقعی کسی خاص قبیلہ یا نسب سے متعلق ہے۔" اس کے باوجود محمد تقی میر یا ان کے والد محمد علی (عبداللہ یا علی متقی؟) کے نام کے پہلے لفظ "میر" کے ساتھ کو دیکھ کر اور میر کے چند اشعار کو بنیاد بنا کر میر کی سیادت کا یقین کر لیا ہے۔ "تذکرہ ستر دو" کا ایک اقتباس محمد انصار اللہ نظر صاحب نے اپنے مراسلہ مطبوعہ ہماری زبان ۲۲ نومبر ۱۹۹۴ء میں شایع کیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ لفظ "میر" کا الحاق بسبب فضیلت بھی کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی تذکرے اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ چنانچہ قاضی عبدالودود صاحب ایک تفصیلی بحث کے بعد یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ محمد تقی میر سید نہ تھے بلکہ "شیخ" تھے۔ یوں تو بحث کا موضوع میر کی سیادت

نہیں تھا بلکہ یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ محض بعض سابقوں کو دیکھ کر کسی شخص کے نسب کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) آزاد نے "دیوانِ ذوق" میں ذوق کو خطاب "خان بہادر" ملنے کا ذکر کیا ہے۔ جس قصیدہ پر یہ خطاب ملا تھا اُس کا مطلع یہ ہے ؎

"واہ وا کیا معتدل ہے باغِ عالم میں ہوا
مثلِ نبض صاحبِ صحت ہے ہر موجِ صبا"

(۳) لفظ "میرزا" کے سلسلہ میں "غیاث اللغات" میں ہے کہ یہ لفظ عام طور پر شاہزادوں اور رئیس زادوں کے لیے استعمال ہوتا تھا ہندوستان میں بھی یہ لفظ بطور خطاب رائج رہا ہے چنانچہ راجہ نانک دہلوی کے خاندان کو یہ خطاب ملا ہوا تھا۔

(اشفاق حسین)

جوابِ استفسار

ہماری زبان ۲۲ دسمبر (۱۹۶۴ء) میں جناب نثار احمد فاروقی نے اس شعر کے بارے میں دریافت فرمایا ہو کہ کس کا ہے

اگر بخشے زہے قسمت، نہ بخشے تو شکایت کیا
سرِ تسلیم خم ہے، جو مزاجِ یار میں آئے

اطلاعاً عرض ہے کہ میں مہر لکھنوی کا دیوان دیکھ رہا تھا ان کے دیوان میں ایک غزل نظر سے گذری جس کے ہر شعر کا دوسرا مصرعہ یہی ہے ؎

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

اس غزل کا مقطع ہے ؎

ستم اے مہر ہے یہ مصرعۂ اصغر علی خاں بھی
سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

بہت ممکن ہے کہ یہ اصغر علی خاں وہی ہوں جن کا تخلص نسیم تھا جو مومن خاں کے شاگرد اور حسرت موہانی کے استاد حضرت تسلیم کے استاد تھے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ شعر انھیں اصغر علی خاں نسیم کا ہو۔

(اقبال رُدولوی)

چند مشورے

(۱) ماہنامہ ادیب کی طرح آپ بھی اس رسالہ میں چند مضامین اردو ادب کی بابت شائع کریں۔ تاکہ طلبار کو اردو امتحانات میں مدد مل سکے۔

(۲) کوڑگانوہ میں ایک اردو ڈگری کالج ضرور ہونا چاہیے یہاں طلبار بھی کافی تعداد میں اردو کے مل جائیں گے کیوں کہ دلی نزدیک ہے۔

(۳) پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں اردو کا ایک الگ شعبہ ہونا چاہیے۔

(۴) علی گڑھ یونیورسٹی اگر ادیب فاضل کو ادیب کامل کے برابر مان کر بی۔ اے میں شرکت کی اجازت دے دے تو طلبار کا بڑا فائدہ ہو سکتا ہے خاص طور پر پنجاب و دلی کے۔

(۵) آئندہ آپ آل انڈیا اردو کانفرنس کوڑگانوہ یا ریواڑی میں کریں۔

(جواہر پرشاد مسل شاد)

یہ جھلاہٹ کس پر ہے

یکم جنوری ۱۹۶۵ء کے ہماری زبان میں صفحہ ۹ پر تصحیح کے زیرِ عنوان گیان چند جین صاحب کا مراسلہ نظروں سے گذرا مراسلے کے پہلے حصے میں ان کا اندازِ تحریر کچھ عجیب سا ہے ممکن ہے گیان چند جین صاحب کے کہنے کے مطابق وہ خبریں غلط ہوں مگر ہر بات کو مختلف انداز میں کہا جا سکتا ہے۔ اسی بات کی تردید وہ نرم لہجے میں بھی کر سکتے تھے مگر ان کا یہ جھلایا ہوا سا اندازِ تحریر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ آخر ان کی یہ جھلاہٹ کس پر ہے؟ "یہ جھوٹ کی پوٹ" وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا یہ اندازِ تحریر اردو کے ایک ہمدرد کا ہے؟

"تو ہی بتا کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے"

(سید نفیس دسنوی)

یہ شعر کس کے ہیں

۱۔ رونا کہاں ہوا۔ مجھے دل کھول کر نصیب
دو آنسوؤں میں نوح کا طوفان آگیا

۲۔ میں خوش ہوں آج مسجدِ ویراں کو دیکھ کر
میری طرح خدا کا بھی خانہ خراب ہے

۳۔ سفینہ ڈوب گیا کشمکش سے جان چھٹی
خدا سے کچھ تو ہوا، ناخدا سے کچھ نہ ہوا

(عطا صدیقی امروہوی کیمپ)

ہندی ٹائیٹل کے ساتھ گزٹ

نئی دہلی، ۲۵ جنوری۔ ایک غیر معمولی گزٹ آج اشاعت پذیر ہوا ہے جس کا نام ہندی میں بھارت کا راج پتر رکھا گیا ہے۔ مرکزی سرکاری زبان ہندی کو رائج کرنے کے سلسلہ میں گزٹ کی یہ پہلی اشاعت ہے اس نوٹی فکیشن پر ۲۶ جنوری کی تاریخ پڑی ہے اس میں صدر کی جانب سے ایوارڈس کے اعلانات کیے گئے ہیں۔

(الجمعیۃ دہلی)

(بقیہ صفحہ ۴ کا)

روشنی میں لینا چاہیے اور معلوم کرنا چاہیے کہ خود زبان کا فطری رجحان کس طرف ہے؟

ہم جانتے ہیں کہ خشائی نون صرف ک گ سے پہلے آتا ہے (گنگا، رنگ، رنگا، شق ۴) اور نثوی نون نہ صرف بقیہ سب مصوتوں پر آتا ہے (بن، بنا، نور، شق ۵ الف) بلکہ ک گ سے پہلے بھی آتا ہے (منکا، تنکا، شق ۵ ب) اس سے بظاہر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خشائی نون تو اپنی جگہ پر قانع ہے مگر نثوی نون خشائی نون کی جگہ بھی ہتھیا لینا چاہتا ہے۔ کیا واقعی نثوی نون "حریص آواز" ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟ اس کا جواب معلوم کرنے کے لیے مندرجہ ذیل جملے ملاحظہ ہوں:

(۶) اس دن کی بات ہے
میں جان گیا
وہ سن کے چپ رہا
موہن گا رہا تھا
روپے گن کے دیئے
ع (یہ بھی تقدیر کا لکھا کہ سکھے)
خلد دو گن کنا تیل سے مجھے　　(ذوق)

ان جملوں میں نون کے بعد دوسرے لفظ میں ک یا گ کی آواز ہے۔ اگر ان جملوں کو عام رفتار سے پڑھا جائے تو نون کا تلفظ نثوی نون کے طور پر ہی ہوگا۔ کیا ان مثالوں کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ نثوی نون نے خشائی نون کی جگہ کو ہتھیا لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں، کیونکہ گو نون ک یا گ سے پہلے آیا ہے لیکن دونوں کے درمیان لفظ کی حد (WORD BOUNDRY) ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ لفظ کی حد سے پہلے خشائی نون نہیں آتا، نثوی نون ہی آسکتا ہے۔ (دن، جان، سن، موہن، گن، وغیرہ شق ۶ میں)

اب اگر شق (۶) کی مثالوں کو شق (۴) (۵ الف) اور (۵ ب) کے پہلو بہ پہلو رکھ کر خشائی نون اور نثوی نون کے متعلق اردو زبان کے عام رجحان کا پتہ چلانے کی کوشش کی جائے تو واضح طور پر محسوس ہوگا کہ اردو کا عام رجحان یہی ہے کہ ک گ سے پہلے خشائی نون ہی آتا ہے اور نثوی نون صرف اسی حالت میں آتا ہے جب ک گ سے پہلے صوتی حد ہو۔ اگر اس بیان کو ہم ایک مفروضے (HYPOTHESIS) کی حیثیت دے دیں تو آگے چل کر شق (۵ ب) کے الفاظ کا تجزیہ کرنے میں آسانی ہوگی، کیونکہ بظاہر صرف یہی الفاظ اس مفروضے کی تردید کرتے ہیں۔

ہم شق (۶) میں دیکھ چکے ہیں کہ نثوی نون ک، گ سے پہلے وہاں آسکتا ہے جب اس کے اور ک گ کے درمیان صوتی حد ہو۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ کیا شق (۵ ب، منکا، تنکا، وغیرہ) میں بھی نون اور ک گ کے درمیان ایسی کوئی حد ہے؟

جدید لسانیات میں زبان کے نظام کو ایک ایسا "تہ دار ڈھانچہ" (HIERARCHY) قرار دیا گیا ہے جس میں اوپر نیچے کئی "سطحیں" ہیں۔ اگر صوتیات (PHONOLOGY) کو پہلی سطح (STRATUM) تسلیم کیا جائے تو دوسری سطح "لفظیات" (MORPHOLOGY) اور تیسری سطح "نحو" (SYNTAX) نہایت مبہم چیز ہے اور اس کی درجہ بندی فونیم کے ذریعہ کی جاتی ہے، اسی طرح لفظیات میں لفظ (WORD) بھی نہایت مبہم چیز ہے اور اس کی درجہ بندی مارفیم (MORPHEME) کے ذریعہ کی جاتی ہے، مارفیم کی تعریف چند لفظوں میں ناممکن ہے۔ لیکن اکثر ماہرین مارفیم (لفظیہ) زبان کی ان لفظی اکائیوں کو کہتے ہیں جن کی معنوی اعتبار سے مزید تقسیم نہ کی جاسکے۔ ؎ مثال کے طور پر لفظ /کر/ کی مارفیم {کر} ہے۔ لفظ /جانا/ کی {جا} اور {نا}۔ اور لفظ /خوش نمائی/ کی {خوش} {نما} اور {ای} جو لفظیہ آزادانہ اپنے طور پر استعمال ہوسکے جیسے مندرجہ بالا مثالوں میں {کر} {جا} اور {خوش} انہیں آزاد لفظیہ (FREE MORPHEME) کہتے ہیں، اور جو آزادانہ استعمال نہ ہوسکے جیسے /جانا/ کا {نا} یا /خوش نمائی/ کا {نما} اور {ای} انہیں مقید لفظیہ (BOUND MORPHEME) کہتے ہیں۔ گویا لفظ ایک مارفیم کا ہوسکتا ہے اور اس سے زیادہ کا بھی، ایک لفظ کے اندر ایک مارفیم اور اس کے بعد کی مارفیم کے درمیان جو حد ہوتی ہے، اسے "مارفیم کی حد" (MORPHEME BOUNDRY) کہتے ہیں۔ اس بیان کی روشنی میں مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ ہوں:

(۷ الف) کن کٹا۔ کن کھجورا۔ کان کن۔ تن کٹا۔ فن کار۔ ان گنا۔ ان گڑھ۔ ان گنت۔ ان کہی۔ بن کھٹ۔ بن گئی۔ بن کال۔ من کا منا۔ گن کاری۔ گن گان۔ تن گا تھا۔ لنگوا۔

(ب) ڈنگر۔ بنکر۔ کنگن۔ کھنکنا۔ کھنکناہٹ۔ گن گن۔ گنگنانا۔ گنگناہٹ۔ تنگی۔ کنگنا پن۔ کھنگھنانا۔ کھنکھنانا۔

ممکن ہے بعض حضرات کے نزدیک (۷ الف) کے الفاظ مرکب ہوں اور (۷ ب) کے مفرد، لیکن لسانیات کی نظر میں یہ سب الفاظ ایک سے زیادہ مارفیم سے مل کر بنے ہیں۔ ان تمام مثالوں میں ن کے بعد ک یا گ آرہا ہے لیکن پھر بھی نون کا تلفظ خشائی نہیں، نثوی ہی ہوتا ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ ن اور ک گ کے درمیان مارفیم کی حد (MORPHEME BOUNDRY) ہے۔

(باقی آئندہ)

؎ ...The smallest meaningful unitse in The structure of The language: (ایچ۔ اے گلیسن An Introduction to American jinguistics نیویارک ۱۹۶۱ء ص ۵۲)

کارپوریشن اسکولوں کے متعلق انجمن ترقی اردو کی مساعی

۱۵ر جنوری کو انجمن ترقی اردو شاخ کلکتہ کا ایک وفد جنرل سکریٹری جناب ایم۔ اے۔ مجید صاحب کی سرکردگی میں کلکتہ کارپوریشن کے ایجوکیشنل افسر صاحب سے ملا۔ اس وفد نے تفصیل سے بتایا کہ اردو اسکولوں میں اساتذہ کی کمی اور عمارتوں کے مخدوش ہونے اور فرنیچر وغیرہ کے نہ ہونے کی وجہ سے کس قدر دشواریاں پیش آرہی ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ انجمن کوشش کر رہی ہے کہ اردو اسکول اور زیادہ تعداد میں کھولے جائیں لیکن یہ افسوس کی بات ہے کہ بجائے اسکول کی تعداد بڑھانے کے بولائی دت اسٹریٹ کے اچھے خاصے گرلس اسکول کو بند کیا جا رہا ہے اور یہ سنا جا رہا ہے کہ اس کے بدلے مترابین میں گرلس اسکول کھولا جائے گا۔ وفد نے بتایا کہ یہ خوشی کی بات ہے کہ مترابین میں بچیوں کا اسکول کھولنے کا کارپوریشن نے فیصلہ کیا ہے لیکن یہ اسکول ایک موجودہ اسکول کو ختم کر کے ہرگز قائم نہیں کرنا چاہیے جو بچیاں کہ بولائی دت اسٹریٹ کے اسکول میں تعلیم پا رہی ہیں وہ مترابین کے اسکول میں ہرگز نہیں جا سکتیں اس لیے کہ یہ کافی دوری پر ہے اور درمیان میں گاڑیوں کی آمد و رفت بھی زیادہ ہے اور کولوٹولہ کے علاقہ میں کوئی دوسرا لڑکیوں کا کارپوریشن اسکول بھی نہیں ہے۔

ایجوکیشن افسر صاحب نے وفد کی باتوں کو نہایت غور اور ہمدردی سے سنا اور اس امر سے اتفاق کیا کہ اس اسکول کو بند کرنے سے علاقے کی بچیوں کا سخت نقصان ہوگا۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ فیصلہ میرے غائبانے میں عارضی ایجوکیشن افسر صاحبہ مس پی۔ منشل نے کیا تھا۔ میں اس فیصلے کو بتائے ہوئے حالات کے پیش نظر ملتوی کرتا ہوں تاآنکہ اس امر کے تمام پہلوؤں پر غور نہ کر لیا جائے اور میں آپ لوگوں کی اس دلچسپی پر خوش ہوں۔

اردو اسکولوں میں ٹیچروں اور ہیڈ ماسٹروں کی کمی کا اعتراف کرتے ہوئے ایجوکیشن افسر صاحب نے بتایا کہ خالی جگہیں اس لیے پر نہیں کی جاتی ہیں کہ کارپوریشن نے تربیت یافتہ معلموں کی قید لگا دی ہے اور ایسے معلم نہیں ملتے۔ انھوں نے بتایا کہ کارپوریشن کے ٹریننگ اسکول میں اردو داں لڑکے ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے پاس ہونے پر بہت سی خالی جگہیں پر ہو لیں گی۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ یہ قانون بنتے وقت بھی کہا تھا کہ اردو اسکولوں کو اس قانون سے مستثنیٰ قرار دیا جائے اس لیے کہ ایسے اردو داں استاد دستیاب نہیں ہو سکیں گے۔ وفد نے یاد دلایا کہ چند ماہ قبل انجمن کا ایک دوسرا وفد جب میئر صاحب سے آپ کی اور چیرمین ایجوکیشن کمیٹی کی موجودگی میں ملا تھا تو آپ حضرات نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ اگر اردو داں استاد کافی دستیاب نہیں ہوئے تو قانون میں ترمیم کی کوشش کی جائے گی۔ اب وقت آگیا ہے کہ اس وعدہ کو ایفا کیا جائے۔

عمارتوں کی خستہ حالی کے متعلق ایجوکیشن افسر صاحب نے بتایا کہ کلکتہ کارپوریشن اس معاملے میں بے بس ہے اس لیے کہ اسے وہ حقوق بھی حاصل نہیں ہیں جو کہ کلکتہ میں عام کرایہ داروں کو قانون کی رو سے حاصل ہیں۔ اسی وجہ سے باڑی والے مکانوں کی مرمت نہیں کراتے اور جب چاہتے ہیں مکانوں کو خالی کرا لیتے ہیں۔ وفد نے بتایا کہ اس حالت میں کارپوریشن کو کوئی ایسی صورت کرنی چاہیے کہ وہ خود مکانوں کی مرمت کرا کے باڑی والوں سے کرائے میں وضع کر لے۔ ایجوکیشن افسر صاحب نے اس صورت کو بھی ناقابل عمل بتایا۔ پھر وفد نے کہا کہ کارپوریشن کو چاہیے کہ حکومت سے استدعا کرے کہ وہ متعلقہ قانون میں ضروری ترمیم کرے تاکہ تعلیم کا نقصان نہ ہو۔ ایجوکیشن افسر صاحب نے بتایا کہ پچھلے دس سال سے کارپوریشن اس کی کوشش کر رہی ہے لیکن حکومت اس پر توجہ نہیں دیتی۔

فرنیچر کے متعلق ایجوکیشن افسر صاحب نے بتایا کہ کارپوریشن رفتہ رفتہ فرنیچر خرید کر اسکولوں کو دے رہا ہے۔ اس کے پاس اتنا فنڈ نہیں ہے کہ بیک وقت تمام اسکولوں کو فرنیچر مہیا کرے۔ اس معاملے میں اردو، ہندی یا بنگلہ اسکولوں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ پھر بھی میں کوشش کروں گا کہ اردو اسکولوں میں زیادہ فرنیچر مہیا ہو سکے۔

اس کے بعد ایجوکیشن افسر صاحب نے فرمایا کہ یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ لوگ اردو اسکولوں کے متعلق دلچسپی لے رہے ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں میری شکایت یہ ہے کہ جبکہ بنگلہ اور ہندی اسکولوں میں داخلہ کے لیے بہت سے طلبا کو انکار کرنا پڑتا ہے اور اردو اسکولوں میں کافی طلبا نہیں ملتے خاص کر اوپر کے کلاسوں میں بہت کم لڑکے ہوا کرتے ہیں۔ آپ لوگ اس بات کی کوشش کریں کہ ان اسکولوں میں زیادہ سے زیادہ طلبا اوپر اور نیچے تمام کلاسوں میں تعلیم حاصل کریں۔ ان اسکولوں میں لائق اور تجربہ کار استاد موجود ہیں جو بچوں کو بہتر طور سے تعلیم دے سکتے ہیں۔ وفد نے یقین دلایا کہ اس سلسلے میں وہ لوگ حتی المقدور کوشش کریں گے۔ ایجوکیشن افسر صاحب نے کہا کہ افہام و تفہیم کے اصول پر میں بھی یقین دلاتا ہوں کہ اردو اسکولوں کے سلسلے میں جو شکایات ہیں یا ہوں گی ان کو حتی الوسع دور کرنے کی کوشش کروں گا۔

(محمد ادریس الحق بہشتی سکریٹری انجمن ترقی اردو کلکتہ)

مغل عہد کے شعر و سخن کو عالمی ادب میں اعلیٰ مقام حاصل ہے

برطانوی میجر جان چارلس ایڈورڈ براؤن کی تحقیق!

لندن ۱۲ر جنوری۔ ایک برطانوی میجر جان چارلس ایڈورڈ براؤن کو یقین ہے کہ مغل عہد کے شعر و سخن کو عالمی ادب میں ایک اعلیٰ دارفع مقام حاصل ہے اسی لیے انھوں نے اپنی ایک خواہش کو پورا کرنے کے لیے ۳ سال تک تحقیقی کام کیا۔ اب وہ واپس شمال مغربی سرحدی صوبہ جا رہے ہیں۔ جہاں مغل عہد کے شاعروں کی تخلیقات کو جمع کریں گے۔ ان میں اکثر صوبوں سے ادب کے صفحات معدوم ہو چکے ہیں اس سال وہ ایک سیاح کے ساتھ شمال مغربی سرحدی صوبہ کا دورہ کریں گے۔ اور نظمیں جمع کریں گے۔ اس کے بعد وہ ان کا ترجمہ کر کے انھیں کتابی صورت میں چھاپیں گے۔

میجر براؤن نے نمایندہ نافعین سے بات چیت کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ مغل عہد کی شاعری دنیا کے ادب میں ایک خاص انفرادیت کی حامل ہے۔ میری رائے میں مغل عہد شاعری کے لحاظ سے ایک شاندار عہد تھا۔ اس زمانہ کا شعر و سخن بھی اس زمانہ کے فن تعمیر کی طرح ایک اونچا مقام رکھتا ہے۔"

میجر براؤن کو اس ادب سے اس وقت دلچسپی ہوئی جب وہ آزادی سے پہلے صوبہ سرحد میں ایک پولیٹیکل افسر مقرر ہوئے وہ اپنے علاقہ کا دورہ گھوڑے پر سوار ہو کر کرتے اور کیمپ میں مقامی پٹھانوں سے فرمائش کرتے کہ وہ اپنی اپنی نظمیں سنائیں۔ میجر براؤن کے خاندان کی تین پشتیں ہندوستان اور پاکستان میں کام کر چکی ہیں، ان کا تعلق تیسری پشت سے ہے انھیں آغاز میں کام ایک برطانوی رجمنٹ میں ملا اس کے بعد لارڈ ولنگڈن نے انھیں غیر ملکی پولیٹیکل سروس کے لیے منتخب کر لیا اس کے بعد وہ شمال مغربی سرحدی صوبہ میں مامور ہوئے اور دوسری جنگ کے دوران دوبارہ ایران بھیج دیئے گئے۔

۱۹۴۷ء میں انھیں صوبہ سرحد سے تبدیل کر کے افریقہ بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ پچھلے سال تک کام کرتے رہے قیام ایران کے دوران انھوں نے فارسی نظموں کے انگریزی تراجم کا ایک مجموعہ چھاپا اس کے بعد انھوں نے مغل عہد کے شاعروں کی تخلیقات کا ترجمہ کتابی صورت میں چھاپا پھر انھوں نے عمر خیام کی رباعیات کا نیا مجموعہ شایع کیا ان تینوں کتابوں کو ادبی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا اور یہ رائے ظاہر کی گئی کہ یہ کتابیں چھاپ کر ہند ایران اور پاکستان کے ادب میں ایک بیش قیمت اضافہ کیا گیا ہے۔

میجر براؤن کہتے ہیں "ان ایرانی شاعروں نے اس ملک کے قدرتی حسن سے متاثر ہو کر جو کچھ لکھا وہ یقیناً قابل ستائش ہے خصوصیت سے یہ ایرانی شاعر کشمیر اور شمال مغربی ہند کی رنگین اور جاذب نظر فضاؤں سے بہت متاثر ہوئے میجر براؤن کا کہنا ہے کہ پٹھان شاعروں کی نظموں میں رومانیت کا عنصر غالب ہے۔ میں ان کو بہت پسند کرتا ہوں میں اپنے مجوزہ دورے میں اس علاقے کے جدید رجحانات کو معلوم کرنے کے لیے بھی کوشش کروں گا۔ مگر میں خوش حال خاں خٹک کی نظموں کے بارے میں کافی ریسرچ کرنا چاہتا ہوں

"جشنِ شفا" کی تیاریاں

بھوپال۔ ملک کے مشہور شاعر حضرت شفاؔ گوالیاری کی چالیس سالہ ادبی خدمات کے اعتراف میں مقامی ادبی اداروں کی جانب سے موصوف کا استقبال کیا جانا طے کیا گیا ہے۔

اس سلسلے کی پہلی مشاورتی میٹنگ دفتر روزنامہ "ندیم" کی بالائی منزل پر حکیم سید قمر الحسن صاحب چیف ایڈیٹر ندیم کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں حضرت کوثر چاندپوری، ناظم اختر عزیز، فضل تابش، قاسم نیازی اور کامل بہزادی کے علاوہ داعیانِ جشن شفا عشرت قادری، واحد پریمی، مظفر رئیس، وفا صدیقی اور واحد علی بانکے نے شرکت کی۔

جشن شفا ۱۰ر فروری ۷۵ء کو منعقد ہوگا۔ پروگرام میں مجلس مقالات اور تقاریر کے علاوہ ایک کل ہند مشاعرہ شامل ہے۔

(واحد پریمی ناظم نشر و اشاعت جشن شفا)

استفسار

۱۔ مجھے ہندوستان کے مشہور ادیب نادم سیتاپوری کا موجودہ پتہ مطلوب ہے ممنون ہونگا اگر کوئی صاحب یا خود نادم صاحب مطلع فرمائیں۔

۲۔ مجھے ایسے تمام اخبارات و رسائل کے مختصر حالات کی ضرورت ہے جو ۱۸۸۰ء سے ۱۹۰۰ء تک ہندوستان کے کسی حصہ میں اردو میں شایع ہوئے اگر واقف حضرات توجہ فرمائیں "بذریعہ ہماری زبان" مطلع فرمائیں تو میں انکی عنایت کا نہایت ممنون ہوں گا۔ (شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی نام گلی نمبر ۲ مکان نمبر ۱۰ لاہور)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ۔ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا، اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا